R. No. 2186/57 Regd. No. A. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہمارِی زبان

Telephone No. 2

Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۱ - شمارہ ۳۹ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

نذیر اقبال ایم۔ اے

لے بے ڈف

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں لاتعداد یورپین مصنفین نے اُردو زبان کے قواعد مرتب کرنے کی کوشش کی یہ مصنفین عموماً ان ہی ملکوں سے تعلق رکھتے تھے جن کی حکومتوں نے ہندوستان سے سیاسی اور تجارتی حلقوں نے کاروباری تعلقات قائم کئے تھے، ان ناموں کی فہرست میں ایک روسی مصنف کا نام حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ ان ملکوں سے جن کے باقاعدہ تعلقات ہندوستان سے قائم تھے بے شمار لوگ مختلف مقاصد کے تحت ہندوستان آیا کرتے تھے ان لوگوں کو ملک کی مفید عام زبانوں سے روشناس کرانے کے لئے ان مختلف ملکوں کے مصنفین نے یورپ کی متعدد زبانوں میں ہندوستان کی متعدد زبانوں کے قواعد کے اصول مرتب کئے۔ ان کوششوں کی ہمت افزائی نہ صرف ان ملکوں کی حکومتیں کرتی تھیں بلکہ یہاں کے سرکردہ کاروباری حلقے بھی دل کھول کر ان کی قدر افزائی کرتے تھے لیکن اس روسی مصنف کے اس دُور دراز ملک میں آکر یہاں کی زبانیں سیکھنے اور ان کے قواعد کے اصول مرتب کرنے کی زحمت اٹھانے کے لئے جب کہ اس کو اس قسم کی کسی ذاتی منفعت کی امید بھی نہ تھی اسکی علوم و فنون اور ہندوستانی زبانوں سے گہری دلچسپی کا ممنون ہونا پڑتا ہے۔ اس مصنف کا نام اس کی تصنیف پر ہیریسم لے بے ڈف لکھا ہوا ملتا ہے لیکن روسی کتابوں میں جہاں کہیں اس کا ذکر ہے گیریسم کے نام سے ہے اور یہ صحیح بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ روسی کے صحیح تلفظ کے مطابق گیریسم لے بے ڈف درست ہو سکتا ہے وجہ یہ ہے کہ روسی زبان میں ہ کی آواز نہیں ہے۔ اس کی یہ تصنیف انگریزی زبان میں ہے۔ تصنیف کی زبان سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو انگریزی زبان پر بھی بڑی قدرت حاصل تھی۔

اپنی تصنیف کی ابتدا میں اس نے اپنا تعارف مفصل کرادیا ہے۔ یہ دوسری خصوصیت ہے جو اس کو دوسرے یورپین مصنفین سے ممتاز کرتی ہے۔ ان چند مصنفین کو چھوڑ کر جنھوں نے متعدد موضوعات پر جن میں ان کی اپنی سوانح یا تعارف بھی شامل تھا متعدد کتابیں لکھی ہیں اس دور کے یورپین مصنفین میں سے شاید ہی ایک دو ایسے ہیں جن کے بارے میں واضح مفصل اور قابل اعتماد ریکارڈ ملتا ہو حتیٰ کہ بعض لوگوں کے بارے میں تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب ہندوستان آئے کن کن اداروں سے متعلق رہے واپس یورپ گئے یا یہیں مر کھپ گئے تمام ریکارڈ جو اس زمانے کے بارے میں معلومات فراہم کرسکتے ہیں ان کے بارے میں خاموش ہیں۔

کتاب تعارف سے شروع ہوتی ہے۔ پہلے جملے میں اس کے سفر کا مقصد واضح ہوتا ہے وہ اپنے ملک کے انسانی دماغ کی اس فطری خواہش کے تحت نکلا تھا کہ دنیا کی وسیع معلومات حاصل کرے اور اس دوران اسکو ایک تجربہ بھی ہوا وہ یہ کہ قدرت اپنے علمی ذخیرہ سے کسی ایک ملک یا طبقہ کو مستفید نہیں کرتی بلکہ ان خزانوں کو بے حد عظیم مقصد ہی نوع انسان کی عمومی بھلائی کے لئے بکھیر دیتی ہے۔ افق کے پار وسیع نظارے کھولتی ہے اور ہماری سمجھ کو کشادگی عطا کرتی ہے۔ اسی اثر کے تحت وہ ۱۲ر فروری ۱۷۸۵ء کو انگلستان سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز میں جس کا کپتان ریک مین سالار تھا ہندوستان روانہ ہوا اور مدراس کی بندرگاہ پر پہنچا۔ اس کے بعد ان تمام لوگوں کے نام ملتے ہیں جن لوگوں نے اس کا استقبال کیا۔ یہ سب لوگ انگریز فوجی اور سول افسران ہیں۔ اس کے بعد اگست ۱۷۸۷ء میں کلکتہ پہنچا اور کلکتہ میں ہی ۱۷۸۹ء میں پہلی بار ہندوستانی ادب کی تحقیق شروع کی۔ دو برس تک کوئی اچھا استاد نہیں ملا اور نہ یورپین مصنفین کی لکھی ہوئی غلط قواعدوں سے کوئی مدد ملی۔ اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ یہ مصنفین یہ نہیں سمجھتے کہ ہندوستان کی تمام بولیوں کی قواعد سنسکرت سے ہی اور قواعد کی مختلف ترتیبوں سے وجود میں آئی ہے

اور اس بنیاد کو نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ لوگ صحیح طریقہ پر ہندوستانیوں کے علوم و فنون کو سمجھ نہیں پاتے اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی عقلمندی قدیم زمانے سے ہی دنیا والوں کی سمجھ اور علم کے لئے زیور کی حیثیت رکھتی ہے پوری معلومات بہم نہیں پہنچاتے۔ اس لئے وہ کہتا ہے اس نے ہندوستانی علوم پڑھنے کے لئے سنسکرت حروف تہجی کو اپنایا اور کئی سال کی محنت کے بعد بجائے ادب پہلے سیکھنے کے اس نے حروف تہجی کی بنیادوں کو پہلے سیکھا اور حروف تہجی، قواعد، علم الحساب، علم اساطیر، علم نجوم کی اندرونی سائنسی یکجائی کی معلومات حاصل کرکے ان کے مبادیات کو انھیں کے اصولوں اور اصطلاحات کے مطابق واضح اور صاف طریقہ سے مرتب کیا۔ اس کے بعد اس نے کچھ ڈراموں کے ترجمے کئے اور بنگالی دوستوں کی مدد سے ان کو اسٹیج کیا۔ بعد میں ایک تھیٹر قائم کیا۔

تیسری خصوصیت جو خاص طور سے اس کے بیان میں پائی جاتی ہے وہ بڑی اہم ہے۔ وہ ہندوستانی ملی جلی بولیوں کی الگ الگ قواعد دیتا ہے۔ یہ بولیاں صوبے جاتی بنیادوں پر تقسیم نہیں کی جاتیں بلکہ طبقہ واری بنیادوں پر اور ہر طبقہ کی بولی کو وہ یکساں گرامر کی نظر سے دیکھتا ہے یہ تقسیم اور گرامر اردو کے لئے ایک انوکھی بات ہے، مثلاً ضمائر شخصی کی گردان صفحہ ۱۸ اور ۱۹ پر۔ ہندوستانی زبان کی ملی جلی بولیاں جو کہ غلط طریقے پر مورش کہلاتی اور تمام ہندوستان میں بولی جاتی ہیں۔

(جہالت) کرک۔ عوام کی ملی جلی بولی، روزمرہ کی ملی جلی بولی، مہذب ملی جلی بولی۔

اس تفریق کو وہ ہر جگہ قائم رکھتا ہے۔ مکالمات کے نمونوں میں، نظموں کے نمونوں میں اور نثری نمونوں میں ہر جگہ ایک سائنس داں کی سی چابک دستی کے ساتھ بغیر کسی تعصب اور امتیاز کے وہ زبان کا تجزیہ کرتا چلا جاتا ہے۔

لیکن تحصیل علم کے اتنے تذکرے اور اتنے بلند و بانگ دعووں کے بعد جب اصلی قواعد پر نگاہ پڑتی ہے تو از حد حیرت ہوتی ہے۔ اس نے اس قواعد کی ترتیب جیسا کہ وہ مقدمہ میں کہتا ہے (تعارف کے بعد مقدمہ اور اس کے بعد قواعد ہے) پہلے لکھی گئی کتابوں کے اغلاط درست کرنے کی خاطر کی ہے لیکن خود یہ قواعد مستقل اغلاط کا مجموعہ ہے۔ کوئی جملہ کوئی اصول اور ترتیب اس میں درست نہیں ہے اور بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ وہ پہلی کتابوں کا حوالہ دے کر جو تصحیحات کرتا ہے وہ تصحیحات خود غلط ہو جاتی ہیں، اور عموماً پہلی لکھی کتابیں اپنی جگہ درست تھیں۔

یہ کتاب ۱۸۰۱ء میں شائع ہوئی ہے، اس سے پہلے ہیڈلے، فرگوسن، گلکرسٹ وغیرہ کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں، اس کی نظر سے غالباً گلکرسٹ کی کوئی کتاب نہیں گزری، ہیڈلے اور فرگوسن دونوں کا تذکرہ کرتا ہے اور بدقسمتی سے ہیڈلے کی بہ نسبت فرگوسن پر زیادہ تنقید کرتا ہے۔ مثلاً فرگوسن کی قواعد کے صفحہ ۱۲ کا حوالہ دے کر لفظ 'دلہن' کے جمع واحد شکلوں پر بحث کرتا ہے۔ فرگوسن نے دلہن واحد اور دلہنیں جمع لکھا ہے۔ یہ اس کو غلط قرار دیتا ہے اور ان دونوں شکلوں کو واحد مونث کہتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اصل میں مونث واحد 'دھولی' یا 'دولی' ہے، اور جمع مونث دھولیے دولیے ہے۔ ضمائر شخصی کے بارے میں بھی فرگوسن پر تنقید کرتا ہے۔ مثلاً فرگوسن نے جمع متکلم ہم لکھا ہے جس کو اس نے غلط قرار دیا ہے اور ہم لوگ لکھتا ہے اسی طرح سے یہ بحث ۵ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ سر ولیم جونس کے سنسکرت املا کی تشریح پر جو کہ ایشیاٹک ریسرچ کی پہلی جلد میں ایشیائی الفاظ کے املا کے عنوان سے چھپی ہے تنقید کرتا ہے۔

ہندوستانی بولیوں کے ماخذ کے بارے میں بالکل نیا نظریہ پیش کرتا ہے۔ ملی جلی ہندوستانی بولیاں زیادہ تر بنگالی کی قدیم بنیادی شاخوں سے نکلی ہیں، ان شاخوں کا نام دیب یا دیب ناگر اور سنسکرت زبان قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ نسبتاً دوسری علاقائی زبانوں کے ان تمام ہندوستانی ملی جلی بولیوں کا زیادہ ماخذ ہیں، جو تمام مشرقی دنیا میں بولی جاتی ہیں۔

لیکن اصل کتاب کو دیکھنے کے بعد تو سنجیدگی برقرار رکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ وہ روسی ہے، اور روسی تلفظ کو اردو پر عائد کرتا ہے۔ ایک جگہ کہتا بھی ہے کہ سنسکرت زبان جس کو وہ ہر جگہ شمسکرت کہتا ہے اس کی اپنی زبان سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے اس لئے اس کی بولیاں اور ان کی قواعد بھی روسی قواعد کے قریب ہے یہ ضرور ہے کہ سنسکرت کی قواعد کچھ گردانوں وغیرہ کے اعتبار سے روسی قواعد سے مشابہ ہے لیکن جو مماثلت اس نے قائم کی ہے وہ مضحکہ خیز ہے۔

سب سے پہلے تو بات تلفظ کی آتی ہے۔ روسی زبان میں کسی بھی لفظ کا آخری حرف اگر voiced ہو تو تلفظ میں unvoiced ہو جاتا ہے۔ اسی قاعدے کو اردو پر عائد کرکے وہ محمد کو محمت، لوگ کو لوک، سب کو سپ لکھتا ہے۔ روسی میں 'O' کی آواز اگر Stress نہ ہو تو زبر کی ہو جاتی ہے۔ وہ اردو کے الفاظ کا املا بھی اسی اصول کے تحت لکھتا ہے۔ کم، تھوڑا کو Com لکھا ہے۔ (باقی صفحہ ۱۱ پر)

ہماری زبان

۱۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء

یوم سرسید

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں ہر سال ۱۷ اکتوبر کو یوم سرسید منایا جاتا ہے۔ سرسید کا صرف یہی کارنامہ نہیں ہے کہ اُنھوں نے ایم اے او کالج کی بنیاد ڈالی جس نے بعد میں مسلم یونی ورسٹی کی شکل اختیار کی۔ سرسید ہندوستان کے اُن بڑے رہنماؤں میں سے ہیں جنھوں نے مغرب کی عقلیت اور حقیقت پسندی سے مشرق کے اخلاقی اور روحانی سرمائے کو ایک نئی زندگی بخشی اس لئے ہمارا خیال یہ ہے کہ یوم سرسید صرف مسلم یونیورسٹی کو ہی نہیں، ساری اُردو دُنیا کو منانا چاہیے اور اُن کے کارناموں کے احساس سے نئے مرحلوں کی جستجو میں نکلنا چاہیے۔ عشق کے امتحان کبھی ختم نہیں ہوتے اور شوق کے نئے مرحلے برابر سامنے آتے رہتے ہیں اور ہر نئی منزل پر پچھلی منزلوں سے حاصل کی ہوئی بصیرت کام آتی ہے اس لئے سرسید نے جو نیا ذہن دیا، جو جستجو کی راہیں کھولیں، جو علم و عمل کے سلسلے ہموار کئے، اُن کا تذکرہ اور بار بار تذکرہ ضروری ہے۔ چراغ سے چراغ اسی طرح جلتا ہے۔

سرسید ایک بڑے مصنف تھے۔ اُنھوں نے تحقیق میں تلاش اور جستجو اور مواد کی ترتیب و تہذیب کے معیار قائم کئے، اُنھوں نے ہمارے علمی سرمائے میں اضافہ کیا اور آئین اکبری اور تاریخ فیروز شاہی جیسی معیاری تصانیف کے صحیح ایڈیشن تیار کئے۔ آثار الصنادید کے نام سے اُنھوں نے دہلی کی تاریخی عمارتوں کے متعلق ایسا مواد فراہم کیا جس کی قدر و قیمت کبھی ماند نہیں ہو سکتی دہلی کے مشاہیر کے متعلق اتنی معلومات یکجا کریں جن سے ہمیشہ مدد ملتی رہے گی۔

جب ۱۸۵۷ء میں آزادی کی پہلی جنگ شروع ہوئی تو گو سرسید اس سے اتفاق نہیں کرتے تھے مگر اُنھوں نے اسباب بغاوت ہند لکھ کر انگریزوں کی حکمت عملی اور سیاست پر بڑی پتے کی باتیں کہیں۔ کمپنی کے تسلط کے ختم ہونے کے بعد جب براہ راست برطانوی پارلیمنٹ سے ہندوستان کا سلسلہ ہوا تو اُنھوں نے سائنٹفک سوسائٹی قائم کی جس کے ذریعے سے اُردو میں علمی کتابوں کے کچھ اور ترجمے ہوئے، پھر گزٹ کے ذریعے سے رعایا کے جذبات حکومت تک اور حکومت کے خیالات رعایا تک پہنچائے۔ گزٹ میں اُنھوں نے اس دور کی صحافت کے اہم اقتباسات عام کئے۔ پھر جب انگلستان جانے کا موقع ملا تو وہ وہاں کے کتب خانوں اور علمی اداروں اور وہاں کی تہذیب و معاشرت سے براہ راست اور اچھی طرح واقف ہوئے جس کا نتیجہ تہذیب الاخلاق کی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔ تہذیب الاخلاق کے بہت سے خیالات وقتی اہمیت رکھتے ہیں مگر مجموعی طور پر اس کے ذریعے سے ہمیں تہذیب کے نسبتاً وسیع اور جامع تصور سے آشنا ہونے کا موقع ملا۔ اس کے ذریعہ سے ادب و انشا کے نئے تقاضوں کا علم ہوا، مذہب، تعلیم، سیاست، معاشرت کے نئے مسائل سامنے آئے، اُنھوں نے خود ایک اسلوب پیش کیا جس کے ذریعے سے دل کی بات دل تک پہنچ سکے، اُنھوں نے ادب کو ذہنی تفریح یا عیاشی یا فارغ البال طبقے کی اجارہ داری سے نکالا اور اُسے حیات بخشی اور حیات آفرینی کاموں کے لئے استعمال کیا۔ پھر اُنھوں نے اپنے گرد ایسے ستارے جمع کر لئے جو اپنی ذات سے انجمن تھے۔ ان کے اثر سے اُردو نثر علمی مسائل کے اظہار پر قادر ہوئی اور "نازک سے نازک مسئلہ باتوں باتوں میں طے ہو گیا"۔ اُنھوں نے جو کچھ کیا وہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ اُنھوں نے نوجوانوں کی ایک نسل تیار کی جس نے مغرب سے خدمتِ خلق کے معیار لئے اور مشرق کے ساتھ ایک نئی وفاداری محسوس کی۔ اُن کا اثر ہماری زندگی کے ہر شعبے پر ہے مگر سب سے زیادہ اُردو ادب پر ہے۔ آج ہمیں ایک نئے تہذیب الاخلاق کی ضرورت ہے۔ آزادی کے بعد ہمیں سرے سے اپنے وطن کی پوری تاریخ، اُس کے سارے افکار و اقدار، اُس کی تہذیب کی بنیادی وحدت اور اس وحدت میں کثرت سے عشق کرنا ہے اور اس عشق میں عقلِ خداداد کی پیروی کرنا ہے۔ آج ہر ہندوستانی کو عالمی معیاروں کی تقلید کرنا چاہیے اس نیک کام میں سرسید کے پیام سے بہت مدد ملے گی۔

فراق گورکھپوری کی علالت

تازہ خبروں کے مطابق اُردو کے مشہور شاعر اور ادیب پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق کی علالت نے تشویشناک صورت اختیار کر لی ہے۔ پروفیسر فراق کچھ عرصہ سے بیمار ہیں ان کے معدے کا فعل درست نہیں ہے قلب کی حالت بھی ٹھیک نہیں اور کسی کسی وقت غشی طاری ہو جاتی ہے۔ ادارہ "ہماری زبان" ان کی جلد صحتیابی کے لئے دعا کرتا ہے۔ ادارہ

انجمن ترقی اُردو، احمد آباد کی دو قراردادیں

۱ ـــــ: انجمن ترقی اُردو، احمد آباد کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس گجرات ایس۔ ایس۔ سی۔ ای بورڈ کی ٹیکسٹ اُردو بک برائے سنہ ۱۹۶۲۔۶۵ء کی طرف محکمۂ تعلیم کی توجہ منعطف کراتا ہے۔ مذکورۂ بالا ٹیکسٹ بک ناقص طباعت خراب کاغذ اور اغلاط سے پُر عبارت کا نمونہ ہے، اس میں مضامین کا انتخاب انتخاب کرنے والے حضرات کی عدیم الفرصتی یا عدم توجہی ورنہ عدم معلومات کی غمازی کرتا ہے۔ یہ ناقص انتخاب نظم و نثر غیر متوازی مضامین سے مملو ہے جس میں جہاں شعراء و ادبا کی شخصیات کے ساتھ ناانصافیاں ہوئی ہیں وہیں منتخب شعراء و ادبا کے مضامین و کلام کا بھی موزوں انتخاب نہیں ہوا۔ کلاسیکل ادبی مشاہیر کے ساتھ ساتھ جدید دور کی غیر معروف شخصیتوں کے نام ناپختہ ذہن کی پیداوار ہیں صاحب اسلوب شعراء و ادبا اور عبوری دور کے شعراء و ادبا کا کہیں ذکر نہیں ہے انتخاب میں ہر دور کی نمائندگی کرنے والے شعراء و ادبا کا بھی ذکر نہیں۔

متحدہ ریاست بمبئی کے ایس۔ ایس۔ سی۔ ای بورڈ، پونا کے پچھلے انتخاب سے بھی یہ موجودہ انتخاب گیا گزرا ہے۔ فانی۔ جگر، حسرت، اصغر، فراق، جوش اور اقبال کی جگہ غیر معروف شعراء کا انتخاب جتنا تعجب خیز ہے اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے رباعیات کا انتخاب بھی ناقص ہے۔ ہر شاعر کے اسلوب یا خصوصیت کی نمائندگی کے لئے ایک دو غزلوں کا انتخاب کافی سمجھا جاتا ہے، جب کہ موجودہ کتاب میں ہر شاعر کا رطب و یابس سے بھرا ہوا کلام پانچ پانچ چھ چھ غزلوں پر مشتمل ہے۔

گجرات کے خصوصی حالات اور طلبہ کی استعداد کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اگر بالفرض صوبائی رنگ دینا ضروری سمجھا جائے تو بھی ولی اور دیگر شعرائے گجرات کے صحیح اور غیر جانبدارانہ انتخاب کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ محکمۂ تعلیم مندرجۂ بالا نقائص اور کمزوریوں کو دور کر کے اُردو پڑھنے والے طلبہ کے ساتھ انصاف کریگا اور اُردو داں حضرات کو شکرگزاری کا موقع فراہم کرے گا۔

۲ ـــــ: انجمن ترقی اُردو، احمد آباد کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ ریاست گجرات میں اُردو درسی کتب کے لئے اب تک ٹیکسٹ بک کمیٹی کے قائم نہ ہونے کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے اور خدشہ محسوس کرتا ہے کہ موجودہ صورت حال محکمۂ تعلیم کی عدم توجہی کا نتیجہ نہ ہو۔

افسوس ہے کہ گجرات میں اُردو زبان کے ماہر اہل رائے ہوتے ہوئے بھی ان کی صلاحیتوں سے کام نہیں لیا جاتا۔

یہ جلسہ محکمۂ تعلیم سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ جلد سے جلد اُردو درسی کتب کے لئے ٹیکسٹ بک کمیٹی کا قیام عمل میں لا کر اُردو داں حضرات کے جائز مطالبے کو پورا کرے اور اُردو داں عوام کو شکرگزاری کا موقع دے۔

(جمال الدین قادری)

آندھرا پردیش اُردو رائٹرز کو آپریٹیو

حیدرآباد۔ ۲۶ راگست۔ آندھرا پردیش اُردو رائٹرز کوآپریٹیو سوسائٹی کے بنیادی اراکین کا ایک جلسہ ۲۵ راگست کی شام کو اُردو ہال میں منعقد ہوا مولوی حبیب الرحمن معتمد انجمن ترقی اُردو نے صدارت کی۔ اتفاق آرا سے عارضی مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا مسٹر بادھوراؤ انوری صدر، مولوی حبیب الرحمن نائب صدر اور مفتی تبسم معتمد اعزازی منتخب ہوئے۔ دیگر اراکین عاملہ مسٹر مخدوم محی الدین، سلیمان اریب، ریورینڈ ہیمن رکانی، منظور، ابوالخیر صہبا، فاروق راہی اور روحی علی اصغر صاحبہ ہیں۔

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کی پچھلی کانفرنس کی ایک قرارداد کے مطابق اس سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس وقت سوسائٹی کے اراکین کی تعداد پچاس ہے ان میں سے تقریباً (۱۶) اراکین آندھرا پردیش کے مختلف اضلاع سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسٹر بادھوراؤ انوری نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کوآپریٹیو سوسائٹی ہے اور اس کے پھلنے پھولنے کے امکانات بہت روشن ہیں۔ اس سوسائٹی کے قیام کا بڑا مقصد مختلف طریقوں سے اُردو کے لکھنے والوں اور شاعروں کی اعانت کرنا ہے سوسائٹی نہ صرف اراکین کی تصانیف کی اشاعت کا بندوبست کریگی بلکہ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھوائے گی، اور ہندوستان کی علاقہ واری زبانوں کی اہم تصانیف کو اُردو میں ترجمہ کروا کے شائع کرے گی۔ سوسائٹی کی جانب سے پریس اور بک ڈپو بھی قائم کئے جائیں گے۔ دس ہزار کا سرمایہ جمع ہونے پر سوسائٹی کے کاروبار فی الفور شروع کر دئے جائیں گے۔ آندھرا پردیش کے اضلاع میں کسی مقام پر (۲۵) سے زیادہ اراکین ہو جائیں تو وہاں سوسائٹی کی سب کمیٹیاں بنائی جائیں گی۔

مسٹر بادھوراؤ انوری نے سوسائٹی کے اراکین کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ اُردو زبان و ادب سے انھیں بے حد محبت ہے اس کی خاطر وہ اپنی مصروفیات کے باوجود جہاں تک ممکن ہو سکے گا سوسائٹی کی خدمت سے دریغ نہیں کریں گے۔ آخر میں آپ نے اُردو کے ادیبوں اور ادب دوستوں سے اپیل کی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں سوسائٹی کے رکن بنیں۔

دہلی کا ایک نیا ادبی رسالہ

اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء سے دہلی کے ادبی رسائل کی برادری میں "محور" کے نام سے ایک نئے دو ماہی رسالے کا اضافہ ہو رہا ہے۔ ادارت کے فرائض زندہ نشبل انجام دے رہے ہیں۔

ضروری اعلان:۔ براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔
منیجر

اشفاق احمد اعظمی

"دانہ و دام"

سوکھی سی اک آم کی گٹھلی
پڑی ہوئی ہے
چلچلاتی ہوئی بنجر زمیں پر
دھوپ کڑی ہے!
جیسے اک گیہوں کا دانہ
جذبہ سے تخلیق کے بے بس
کھیت کے باہر
پڑا ہوا ہے
"کاش کسی کھیت میں بھی پاتا
سینچا جاتا
اور جنم دیتا میں بھی اک
ننھا پودا ــــــــــ"!

اور اسی صورت اک عورت
دنیا کی ٹھکرائی ہوئی اک ابلا عورت
جذبہ سے تخلیق کے بے بس ــ
اک لمحہ کے لیئے بھول کر
اپنے کو اپنی حالت کو
پیار کی ہلکی سی بارش میں بھیگ گئی تھی۔
لیکن اب بالکل تنہا ہے
دنیا کی نظروں سے چھپ کے
پُر رونق بازار سے ہٹ کے
راہ گذر سے
دور اکیلی
برگد کے اک پیڑ کے نیچے
پڑی ہوئی دم توڑ رہی ہے
جس کی چھاتی پر اک بچہ
پڑا ہوا
بے بس نظروں سے
اپنی بدقسمت ماں کو
برگد کو۔ اور اس کی گھنی گھنی شاخوں کو
دیکھ رہا ہے۔!
وہ بھی اک خودرو پودا تھا ــــ ■

غزلیں

عادل منصوری

نہ جانیے نگر نگر، ہمارے دل سے پوچھیئے
کہاں ہے انکی رہگذر؟ ہمارے دل سے پوچھیئے
رگوں میں تھا لہو ذرا چراغ شب کو دے دیا
حضور قیمت سحر، ہمارے دل سے پوچھیئے
ستارے دیکھتے رہے، قمر کو ہم نے چھو لیا
مقام عظمت بشر، ہمارے دل سے پوچھیئے
ہنسی گلوں کی دیکھ کر جو آپ یاد آگئے
تو زخم روئے کس قدر، ہمارے دل سے پوچھیئے
ستارے، برق، آشیاں، دیے، پتنگ یا کہ ہم
یہ کیوں جلے ہیں عمر بھر ہمارے دل سے پوچھیئے

کاوش بدایونی

نگہ ناز جو تمہید خرابات ہوئی
ہر طرف بادۂ گلرنگ کی برسات ہوئی
نیچی نظروں کی سبک چھاؤں میں مگر شاید
مسکراہٹ خلش افزائے حجابات ہوئی
اول اول تپش عشق مداوائے حیات
آخر آخر یہی شعلۂ آفات ہوئی
میرے ہاتھوں میں ترا ہاتھ تھا منزل منزل
کس کو معلوم کہاں صبح کہاں رات ہوئی
عشق تاحد رگ جاں کوئی چلتا جادو
حسن کی آنچ تجلائے خیالات ہوئی
لاکھ تدبیر بھی کام آ نہ سکی وقت زوال
تیری ہی یاد فقط قاضی حاجات ہوئی
تلخی زہر تھی دل میں تو لب شوق پہ پھول
ہائے کس شان سے کاوش کی مدارات ہوئی

رئیس اجمیری

آتش رخسار کی باتیں کرو
گرمی گفتار کی باتیں کرو
جبہ و دستار کی باتیں کرو
شیخ کے پندار کی باتیں کرو
پھر صبا پیغام لے کر آئی ہے
بوئے زلف یار کی باتیں کرو
پھر سجاد میکدے کی سرزمیں
عالم اسرار کی باتیں کرو
ہم ہیں یارو آبلہ پایان شوق
ہم سے نوک خار کی باتیں کرو
چھیڑ دو پھر شہر طرب کے تذکرے
پھر کسی دلدار کی باتیں کرو
ہاں اسی گل پیرہن کا واسطہ
کشت لالہ زار کی باتیں کرو
سرفروشان وطن ہیں ہم رئیس
ہم سے گیر و دار کی باتیں کرو

سجاد وجیہی

رباعی

دہلیز کے نزدیک رکا تھا کوئی
کچھ چوڑیاں کھنکی تھیں بکھرا تھا کوئی
اے کاش ذرا اٹھتیں یہ نگاہیں اپنی
پردے سے ابھی جھانک رہا تھا کوئی

مراسلہ

مصدر اسم ہے یا فعل؟

(۸ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کے گذشتہ مضمون "نحوی ولغوی تحقیق" سے پیوستہ)

اُردو نامہ شمارہ ہفتم وہشتم کے صفحات ۲۲، ۲۵ اور ۲۶ پر

(آ) بنانا، اُبارنا، اباکن، اپنانا ... فعل

تنقید۔ یہ تمام مصادر ہیں اور ہر مصدر اسم ہوتا ہے (نہ کہ فعل کیونکہ فعل میں زمانے کا ہونا لازم ہے) انگریزی زبان کے نحوی بھی ایسی صورت کو Infinitive کہتے ہیں اور تحلیل صرفی ونحوی میں اُسے used as a noun سے تعبیر کرتے ہیں۔

جواب: (از جانب محمد زکریا صاحب کراچی)

ذیل کے امور توجہ کے محتاج ہیں:۔

(الف) انگریزی گرامر میں Infinitive فعل کی ایک قسم ہے۔

(ب) used as a noun اس امر کا ثبوت ہے کہ مصدر فعل ہے، اسم کو used as a noun کون کہے گا۔

(ج) انگریزی گرامر میں یہ بھی ساتھ ساتھ لکھا ہے۔

retaining the power that a verb has ...

اُردو لغت میں فعل کی جگہ مصدر کو لغت قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ماضی، مضارع، امر وغیرہ فعل کے مختلف صیغے ہیں، ان میں سے کس کو لغت بنایا جائے۔

جواب الجواب (از محمد مصطفیٰ، علی گڑھ) فعل کی جگہ آپ مصدر کو لغت قرار دے رہے ہیں تو بہت اچھا کر رہے ہیں، اس پر کس احمق نے اعتراض کیا تھا، اعتراض تو یہ تھا کہ مصدر کو مصدر لکھیے فعل نہ لکھیے، کیونکہ اس صورت میں اگر آپ عربی فارسی یا اُردو صرف ونحو کے متبع ہیں تو اس مسلک کی متابعت ہوگئی اور انگریزی گرامر والوں کے معتقد ہیں تو بھی ان کے مذہب کی مخالفت نہ ہوگی، وہ بھی اس صورت کو جس کے اول میں "to" ہوتا ہے مثلاً "to write" اور جس کا ترجمہ اُردو میں "لکھنا" ہے Infinitive کہتے ہیں، اور اس کا صحیح ترجمہ "مصدر" ہے نہ کہ فعل،

پھر ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر! آپ کے یہ الفاظ "اُردو لغت میں فعل کی جگہ مصدر کو لغت قرار دینے کی وجہ یہ ہے ..." میری ہی تنقید کی تائید کر رہے ہیں، مصدر کو لغت قرار دینا اور فعل کو لغت قرار نہ دینا لیکن اس کا نام فعل رکھنا چہ معنی دارد؟ ... یہ وہی بات تو ہوئی جو خاکسار نے عرض کی تھی کہ اسے "مصدر" لکھیے نہ کہ فعل، ہاں! معلوم ہوا کہ ع ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں، آپ بھی اسے مصدر مانتے ہیں، لیکن کسی خاص وجہ سے جب ضد کر بیٹھتے ہیں۔ تو اغیار کی محبت کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں، سُنیے خاکسار نے انگریزی گرامر والوں کا حوالہ بطور حجت الزامی کے دیا تھا کہ فعل مانتے ہوئے بھی اُنھیں کہنا پڑتا ہے کہ "بطور اسم کے مستعمل ہوا" یا بالفاظ دیگر اقرار کرنا پڑا کہ اس مقام پر یہ اسم ہو گیا، اب اگر اس صورت میں انھوں نے اسے فعل بھی مان لیا تو خاکسار اس کا جواب دہ نہیں، اس "اجتماع نقیضین" کے جواب دہ تو وہی حضرات ہیں اور اُن کے متبعین، لہٰذا آپکے دلائل الف وب وج سبکے سب ساقط الاعتبار ہوگئے۔

جواب (د) مصدر اگر اسم ہے تو اس کی جنس (تذکیر وتانیث) بھی ہونی چاہیے اور عدد (واحد، جمع) بھی۔

(جواب الجواب) اب صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ مصدر کو اسم نہیں مانتے، اور مغربی حضرات کے افسانہ وافسوں سے آپکے کان بھرے ہیں اس لئے انگریزی نحویوں کے دلائل سے کورانہ تمسک فرما رہے ہیں، لیکن ع آج میرے تیر کا دیکھیں تو اے خونخوار توڑ!

محترم میرے! آپ کے منہ سے جو پھول ابھی جھڑ رہے ہیں اُنھیں بھی تو دیکھ لیجیے، یعنی "ہونی چاہیے" یہ ہونی تانیث ہے "ہونا" کی اور ہونا مصدر، اور مذکر، اب آپ فرمادیں کہ میں نے غلط استعمال کیا"... حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں، بالکل صحیح فرمایا کہ "ہونی چاہیے" شکر ہے کہ آپ ہی کے منہ سے سچی بات تو نکل آئی اور یہ اثر ہے میرے جذبۂ وفا کا" اب بھی میری وجہ سے آپ کو یقین نہ ہو تو غالب کی زبان سے سُن لیجیے:۔ ع

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا، یہ ہونا مصدر مذکر ہے۔

ہاں آپ زود پشیماں نہ ہوں اور یہ بھی سُن لیں کہ ؎

خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

"سمجھنی مونث ہے، اور اس کا مذکر سمجھنا" اب آپ کچھ سمجھے؟!!

رہی وحدت وجمعیت تو "مجھے درد دل کہنا ہے" اور آپ کو دفتر کے دفتر سننے ہیں" اس کہنا اور سُننے پر ذرا غور فرمائیے، لیکن ذرا انصاف کے ساتھ اور محبت کے ساتھ، ع

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر

جواب (ہ) مصدر میں فعل کی مندرجۂ ذیل خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ اس کا مفعول ہوتا ہے جب متعدی ہو۔ جیسے میں کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔

(جواب الجواب) مفعول رکھنا فعل کی خصوصیت نہیں، اسم فاعل بھی مفعول رکھ سکتا ہے مثلاً میں زید کو مارنے والا ہوں، یہاں مارنے والا اسم فاعل ہے اور زید مفعول، اور اسم فاعل اسم ہی ہوتا ہے۔

پھر اس مثال نے تو میرا ہی دعوی ثابت کر دیا، میں کتاب پڑھنا چاہتا ہوں، "پڑھنا" مصدر اس کا مفعول "کتاب" اور "چاہتا ہوں" فعل متعدی اس کا مفعول "پڑھنا" ملاحظہ ہو کہ مفعول "پڑھنا" کا کتاب ہے اور وہ اسم ہے اس سے ظاہر ہوا کہ مفعولیت اسم کی شان ہے (خواہ وہ اسم مظہر ہو خواہ مضمر) پس چونکہ "پڑھنا" مفعول ہے "چاہتا ہوں" کا اس لئے وہ بھی اسم ہوا۔ اور چونکہ وہ فریقین کے نزدیک بالاتفاق مصدر ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مصدر "اسم" ہے، اسی کو کہتے ہیں۔ ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔

(جواب) ۲۔ اس کا متعلق ہوتا ہے جیسے ہر شخص جلد امیر بننا چاہتا ہے۔

(جواب الجواب) اسم کے بھی متعلقات ہوتے ہیں، (متعلق سے متعلق ہونا فعل کی خصوصیت نہیں) مثال حاضر ہے۔ ؏

ضعف سے گریۂ مبدّل بہ دمِ سرد ہوا، اگر یہ جملہ "مبتدا خبر" اور "بہ دمِ سرد" متعلق ہے مُبدّل کے (جو اسم مفعول ہے اور اس لیے اسم ہے) پس "بہ دمِ سرد" متعلق ہے اسم کے، اس لئے ثابت ہوا کہ اسم کے بھی متعلقات ہوتے ہیں۔

(جواب) ۳۔ معروف مجہول ہوتا ہے جیسے پڑھنا، پڑھا جانا وغیرہ

۴۔ متعدی اور لازم ہوتا ہے۔

(جواب الجواب) مصدر چونکہ جائے صدور مشتقات ہے اس لیے جس مصدر سے اسم فاعل ہی بن سکتا ہے مثلاً آنے والا اُسے لازم اور جس سے اسم مفعول بھی بن سکتا ہے مثلاً کھایا ہوا، اُسے مصدر متعدی کہتے ہیں اور فعل لازم وہ ہے جو فاعل ہی پر تمام ہو جائے اور فعل متعدی وہ ہے جسے مفعول کی ضرورت ہو لہٰذا دونوں کی حیثیت میں فرق ہوا، پس چونکہ فاعل اور اسم فاعل اور مفعول اور اسم مفعول میں فرق ہے اس لیے مصدر کے لزوم و تعدیہ اور فعل کے لزوم و تعدیہ میں فرق ظاہر ہو گیا، پس اس جہت سے یہ دونوں ایک نہیں ہو سکتے پس جس طرح "مرضِ متعدی" کو فعل محض متعدی ہونے کی وجہ سے نہیں کہہ سکتے، اور "تپِ لازم" کو فعل محض لازم ہونے کی وجہ سے نہیں کہہ سکتے اسی طرح مصدر لازم اور متعدی کو "فعل" محض لازم و متعدی ہونے کی وجہ سے نہیں کہہ سکتے۔ اور مصدر مجہول وہ ہے جو مفعول مالم یُسمّٰی فاعلہ کی طرف مضاف ہو سکے مثلاً کتاب کا پڑھا جانا اور مصدر معروف وہ ہے جو مفعول بہ کی طرف مضاف ہو سکے مثلاً کتاب کا پڑھنا، لیکن فعل معروف وہ ہے جس کا فاعل معلوم ہو اور فعل مجہول وہ ہے جس کا فاعل نامعلوم ہو اس لئے اس حیثیت سے مصدر اور فعل کی معروفیت اور مجہولیت میں فرق واضح ہو گیا اور جس طرح "شخصِ معروف" میں شخص کو "معروف" کی وجہ سے فعل نہیں کہہ سکتے اور "مردِ مجہول" میں مرد کو مجہول کی وجہ سے فعل نہیں کہہ سکتے اسی طرح مصدر معروف و مجہول کو بھی محض اس اشتراکِ لفظی کی وجہ سے فعل نہیں کہا جا سکتا، پس بحمدہٖ تعالیٰ آپ کی ترکی تمام ہو گئی۔

(جواب) مصدر کو انگریزی قواعد نویس verbal noun کہتے ہیں یعنی فعل جو اسم بھی ہے،

(جواب الجواب) نہیں بلکہ اس کا ترجمہ یوں کیجئے۔ "اسم جو فعل بھی ہے" یا "اسم فعلی" کیونکہ verbal صفت ہے noun کی، نہ کہ نا؟ – یہ میرے محترم کی فنی غلطی بھی ہے۔ Gerund اور verbal noun بعض انگریزی نحویوں کے نزدیک ایک ہی چیز ہیں اور بعض یہ فرق کرتے ہیں کہ شروع میں "The" ہو اور بعد میں "of" تو verbal noun ہے ورنہ Gerund اور مثال یہ کہ Seeing is believing. اس کے آخر میں ing ہوتا ہے اور مصدر کے شروع میں to، Gerund کو حاصل مصدر کہتے ہیں۔ اور مصدر کو Infinitive – لہٰذا مصدر کا ترجمہ verbal noun کرنا سخت حماقت ہے۔

بہر حال ہر چہ بادا باد، یہ دلیل بھی میرے محقق کو مفید نہیں اس لئے کہ جب مصدر بقول اُن کے verbal noun ہوا تو ظاہر ہے کہ لفظ verbal صفت ہے اور noun اسم ہے۔ اس لئے اس میں اسمیت کا غلبہ ہوا، اور بہ نسبت فعل مطلق کے یہ اسم مطلق کے نزدیک تر ہو گیا، لہٰذا اس اقربیت کی وجہ سے بھی بجائے اس کے کہ اُسے فعل کہیں، اسم کہنا زیادہ موزوں ہوا، والحمدللہ علیٰ ذالک ولا فخر۔

(ایقاظ) محترم کے دلائل کے جوابات تو ہو گئے جن کے ضمن میں مصدر کی "اسمیت" کے بعض دلائل بھی آ گئے، مزید دلائل مستقل طور پر اپنے مبسوط مضمون میں عرض کروں گا، سرِ دست اتنا کہنا کافی ہے کہ محقق جواب لکھنے یا میری تنقید پر اعتراض کرنے تو بیٹھ گئے اور ایک مختصر سی دلیل جو احقر نے تنقید میں بین القوسین درج کی تھی اُس کو صاف اُڑا گئے وہ ایک ہی دلیل ایسی ہے کہ اُس کا قیامت تک جواب نہیں ہو سکتا۔ یعنی فعل کے لئے زمانہ کا ہونا لازم اور اسم میں زمانہ (ماضی، حال، مستقبل) کا فقدان اس لئے مصدر فعل نہیں کیونکہ وہ بھی زمانے سے خالی بلکہ اسم ہے۔ خیر اس تغافل کا شکریہ اور بہت بہت۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

ہاں اب کوئی تیر ترکش میں باقی رہ گیا ہو تو اُسے بھی کام میں لے آیئے اور میری سخت جانی دیکھ لیجئے، یا آپ کے کسی حامی ہم خیال کے پاس اور نقد و دلائل ہوں تو اُنھیں بھی بازارِ تحقیق میں اہلِ نظر کے سامنے لے آیئے تاکہ کھرے کھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے۔

"اچھا" اجازت ہماری، صحت آپ کی" اس عنوان سے "اب کے" کی بحث آئندہ ملاحظہ فرما کر مشکور ہوں۔

(محمد مصطفیٰ۔ چھتاری کمپاؤنڈ، علی گڑھ)

آفتاب اختر ایم۔ اے

غیر ملکی زبانوں کا مطالعہ

انسان فطرتاً اجتماعیت پسند واقع ہوا ہے۔ اس کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اجتماعی حلقے میں رہ کر زندگی بسر کرے۔ انفرادی حیثیت سے اس کی معمولی سے معمولی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ وہ کسی ایک خطے میں رہ کر اور صرف اسی کی زبان جان کر اپنی تمام ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا ہے۔ اُسے دنیا کے مختلف حصوں، خطوں اور ملکوں میں بسنے والے تمام انسانوں سے واسطہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

آج جب کہ سائنس نے دنیا کے دور دراز خطوں کی مسافت کو چند لمحوں میں طے کرنے کے وسائل پیدا کر دئے ہیں اور رسل و رسائل کی آسانیوں نے زمین کی طنابیں کھینچ کر رکھ دی ہیں تو یہی دور دراز ممالک جن کے متعلق ہم صرف قصّے کہانیاں ہی سُنا کرتے تھے اور وہاں پہنچنے کے لئے سالہا سال کا تھکا دینے والا سفر درکار ہوتا تھا اب ایک دوسرے سے بالکل قریب آگئے ہیں۔ دنیا کے وہ ممالک جن میں مشرق و مغرب کا فاصلہ تھا اب ریلوں، ہوائی جہازوں، سمندری جہازوں اور تار برقیوں وغیرہ کے ذریعہ ایک محلے کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے میں ہمارے سامنے یہ ایک اہم مسئلہ آکھڑا ہوا ہے کہ ان مختلف النوع زبانوں کے بولنے والوں سے تبادلہ خیال کیسے ہو۔ ایک دوسرے کی باتوں کو کیسے سمجھیں اور کس طرح سمجھائیں۔

ہم زبان تو صرف اپنے ہی ملک کی جانتے ہیں اور ہم کو تعلقات سبھی ممالک سے رکھنا ہیں اس لئے یہ بات ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کو روسیوں، چینیوں، فرانسیسیوں، انگریزوں، عربوں، ترکوں اور ایرانیوں وغیرہ سے صرف سفارتی ہی سطح پر سہی اگر تعلقات رکھنا ہیں تو ہمیں انگریزی، روسی، چینی، ترکی، عربی، فارسی اور فرانسیسی وغیرہ سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ انگریزی نے بڑھتے بڑھتے دنیا کے ایک بڑے حصّے کو اپنے زیر نگیں کر لیا ہے پھر بھی اس کو ابھی مکمل طور سے (lingua franca) کی حیثیت نہیں ہو پائی ہے۔ حالانکہ سبھی ممالک کے لوگ انگریزی سیکھنے کے لئے کوشاں ہیں تاکہ کچھ آسانیاں پیدا ہو سکیں لیکن اس سے ہمارا مقصد پوری طرح اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا ہے جب تک ہم ہر ملک کی قومی یا عوام میں رائج زبان کو نہ سیکھیں۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں کسی ایک زبان کے سہارے زندہ نہیں رہا جا سکتا۔

اس میں اگر قومی تعصب اور ملکی تنگ نظری سے کام لیا گیا تو ہم ایک دوسرے کے قریب آنے کے بجائے اور دور ہوتے چلے جائیں گے۔ اور تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی دنیا میں اپنے لئے کوئی باعزت جگہ نہیں بنا سکیں گے۔ ہو سکتا ہے اس سے ہماری سیاسی، سماجی، معاشی یا تہذیبی موت ہی واقع ہو جائے۔ لیکن آج ہم میں سے کون اس طرح کی موت کو گلے لگانے کے لئے تیار ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں ہر ملک اور قوم کی یہی کوشش رہی ہے کہ وہ دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں سے برتر ہو جائے اور ارتقاء کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزل تک اُسے جلد رسائی حاصل ہو۔ لیکن کارے دنیا کسے تمام نہ کرد۔ ان تمام کوششوں کے باوجود کوئی ملک اور کوئی قوم آج تک اپنی معاشرت کو ہر طرح مکمل نہیں کر سکی ہے۔

ہمیں آج اگر ملک کو بہتر و برتر بنانا ہے تو تہذیبی، سائنسی اور صنعتی ترقی کی دوڑ میں دن دوگنی رات چوگنی مشغول ہونے والی قوموں اور ملکوں سے اپنے تعلقات کو اچھا بنانا پڑے گا۔ کیونکہ مختلف ممالک کے باہمی ربط و ارتباط نے ہر ملک کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا ہے اور کچھ نہ کچھ حاصل بھی کیا ہے۔ ہر ملک نے ایک دوسرے کو فائدہ پہنچایا ہے۔ اگر افادہ و استفادہ کا قانون نہ ہوتا تو دنیا کو آج جتنی ترقی حاصل ہوئی ہے وہ کبھی نہ ہو پاتی۔

آج دنیا کے تمام ملک ترقی کی جس منزل پر ہیں وہ بہت کچھ غیر ملکی زبانوں کے مطالعہ ہی کا طفیل ہے کیونکہ ہم جس ملک کی زبان حاصل کرتے ہیں تو خواہ مخواہ اس کی تہذیب و ثقافت کے خزانے ہمارے لئے کھل جاتے ہیں۔ اب اگر ہم چاہیں تو اس میں سے اپنی ضرورتوں کے مطابق بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

صنعت و حرفت زمانہ حاضرہ کی کچھ ایسی چیزیں ہیں جن سے واسطہ رکھے بغیر کوئی ملک تمدنی ترقی تو در کنار، اپنی آزادی تک برقرار نہیں رکھ سکتا ہے۔ اس کا ثبوت موجودہ دور میں ایشیا پر یورپ کا غلبہ و اقتدار ہے۔ یورپ نے زمانہ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا اور دوسرے ممالک کی زبانیں سیکھ کر تمام ملکوں سے تجارت و صنعت کے رشتے اچھی طرح قائم کر لئے۔ ایشیا نے اس معاملے میں سستی برتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ اس پر اچھی طرح چھا گیا۔ اور ایشیا اس کے زیر نگین ہو گیا۔

موجودہ زمانے میں اگر کوئی ملک ان باتوں کو نظر انداز کر دے گا تو وہ تمدنی ارتقاء کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گا۔ اور شائستہ و ترقی یافتہ کہلانے

جاننے کا کوئی حق نہیں رہے گا۔ تجارت کو فروغ دینے اور اپنے ملک کی تیار کی ہوئی مصنوعات کو دوسرے ملک میں رائج کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اس ملک کے باشندوں کی ضرورتوں اور خواہشوں کا پورا علم ہو۔ اس سلسلے میں ہمیں غیر ملکوں سے خط و کتابت کرتے اور اپنی مصنوعات کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے تمام ملکوں کی زبانیں جانے بغیر کوئی کامیابی ناممکن ہے۔

سائنس اور جدید علوم کی حیرت خیز ترقیوں نے مختلف ممالک کے انسانوں کو آپس میں اتنا قریب کر دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی معمولی حرکات و اعمال کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ آج اگر دنیا کے کسی گوشے میں کوئی اچھا یا برا فعل سرزد ہوتا ہے تو دوسرے ہی دن وہاں کے رہنے والوں پر تحسین و تحقیر کی بوچھار ہونے لگتی ہے۔ آج ایک ملک دوسرے ملک کی حرکات و سکنات پر کڑی نگاہ رکھتا ہے اور اُن پر بڑی بیباکی سے نکتہ و انتقاد ڈالتا ہے۔ اس صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لئے انسانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے جھگڑوں کو جو دو غیر ملکوں کے درمیان ہوں فیصل کروانے کے لئے دنیا کے ملے جلے انسانوں کی ایک ایسی انجمن بنائے جو آپس کے ان جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہو، اور صرف اپنے ملک کے مروجہ قوانین کے مطابق فیصلہ کروانے کا کسی ایک ہی ملک کو حق نہ رہے۔

اس بین الاقوامی پیچیدگی کو دور کرنے کے لئے انجمن اقوام متحدہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہاں تمام ممالک کے نمائندے شریک ہو کر اپنی تقریروں کے ذریعے اپنے اپنے ملکوں کے حقوق پیش کرتے ہیں اور اُن پر بحث و مباحثہ کے بعد کوئی فیصلہ ہوتا ہے۔ یہاں سیکڑوں زبانیں بولنے والے نمائندے ہوتے ہیں ایسی صورت میں ایک دوسرے کی بات کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف اپنی ہی زبان جاننے والا شخص اس گونگے کی طرح ہے جو دوسروں کو اپنی باتیں اشاروں میں سمجھاتا ہے۔ وہ اپنی کم مائگی کی بنا پر بیک وقت مختلف زبانوں کے جاننے والوں کے مقابلے میں کم نظر ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ صرف اپنے ماحول یا زیادہ سے زیادہ اپنے ملک کے حدود میں مقید رہتی ہے۔ اس کے برخلاف غیر ملکی زبانیں جاننے والوں کی نگاہیں دور دراز ملکوں اور وہاں کے باشندوں کی تہذیب و تمدن تک پہنچتی ہیں اور اسے اس کا موقع ہوتا ہے کہ وہ اُن ملکوں کے رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت کے رجحانات پر تنقیدی نظر ڈالے اور وہاں کی خامیوں سے کنارہ کش ہو کر خوبیوں سے مستفید ہو۔ اس لئے اپنی استعدادی و افادی صلاحیتوں کو ایک تنگ دائرے میں محدود ہو جانے سے بچانے کے لئے غیر ملکی زبانوں کا سیکھنا اور اُن کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

غیر ملکی زبانوں کے سیکھنے سے یہ بھی فائدہ ہوتا ہے کہ ہم ترجمہ کے فن سے واقف ہو جاتے ہیں۔ دوسری زبانوں کی مفید کتابوں میں چھپے ہوئے اسرار و رموز کو اپنی زبان میں پیش کرنے کے فن کو ترجمہ کہا جا سکتا ہے یہ بات بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ صحیح اور عمدہ ترجمہ وہی ہے جو براہ راست کیا جائے کیونکہ اس سے ذوق کو رچاؤ اور مطالب و مفاہیم کے سمجھنے کا سلیقہ آجاتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مترجم اُس زبان سے بخوبی واقف ہو جس کا ترجمہ اسے کرنا ہے۔

اگر ان تمام باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی دوسری زبانوں کے سیکھنے کی اہمیت کسب معاش کے نقطۂ نظر سے بڑھ جاتی ہے کیونکہ اگر ہمارے دوسرے ممالک سے سفارتی تعلقات قائم ہیں تو دوسری زبانیں جاننے والوں کے لئے ملازمت کے دروازے کھلے رہیں گے۔ اپنے ملک کے ریڈیو، سفارتوں، وزارت خارجہ کے پبلیسٹی وسائل، درآمد برآمد کرنے والی ایجنسیوں، بڑے بڑے کارخانوں کے پبلیسٹی شعبوں کے علاوہ اُن زبانوں کے سکھانے والے اسکولوں میں ملازمتیں حاصل کرنا کوئی دشوار امر نہیں ہوگا۔

ہندستان کو آزاد ہوئے چودہ سال ہو چکے ہیں۔ اس عرصے میں دنیا کے بیشتر ممالک سے ہمارے تعلقات قائم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان سب سے ہمارے تعلقات روز افزوں بہتر ہوتے جائیں اور ان کے سائنسی، تہذیبی، تمدنی، صنعتی، ادبی اور معاشی تجربات و مشاہدات سے برابر فائدہ اُٹھاتے رہیں تو بلاشبہ ہمیں ان ممالک کی زبانوں کے مطالعہ کی طرف تیزی سے متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

کُل ہند اُردو کانفرنس جے پور

جے پور کا موسم

کُل ہند اُردو کانفرنس ۲۴-۲۵- نومبر ۱۹۶۲ء کو جے پور میں ہو گی۔ مجلس استقبالیہ نے اپنے تمام مہمانوں کے لئے چارپائیوں کا انتظام کیا ہے۔ اس زمانے میں جے پور میں دلّی وغیرہ کی طرح شدّت کی سردی تو نہیں ہوتی مگر اچھی خاصی ہوتی ہے اس لئے شرکت کرنے والے حضرات معقول بستر ساتھ لائیں۔

نمائش کا افتتاح

یہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ کانفرنس کی نمائش کا افتتاح مہارانی گائتری دیوی، ایم۔پی فرمائیں گی۔

کانفرنس کی صدارت

کانفرنس کے تمام جلسوں کی صدارت جناب آنند نرائن ملا صاحب سابق جج الٰہ آباد ہائی کورٹ فرمائیں گے۔

مجلس عام کا جلسہ

کانفرنس کے سلسلے میں انجمن کی مجلس عام اور عاملہ کا جلسہ بھی منعقد ہو گا توقع ہے کہ اکثر اراکین انجمن جے پور تشریف لائیں گے۔

نمائش سے تعاون

بعض حضرات انفرادی طور پر اور بعض اُردو انجمنیں اداروں کی حیثیت سے اس کانفرنس میں شرکت کرنا چاہتی ہیں۔ روزانہ اس قسم کے کافی خط آ رہے ہیں۔ یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ انجمن کی شاخوں کے نمائندوں اور چند مشاہیر اُردو کو اس کانفرنس میں مدعو کیا جا رہا ہے۔ مجلس استقبالیہ نے قیام و طعام کا ایک محدود تعداد میں انتظام کیا ہے۔ ۳۱ر اکتوبر تک انجمن کو شاخوں کے نمائندوں اور دیگر مدعوین کی تعداد کا صحیح اندازہ ہو جائے گا

اس کے بعد دوسرے اداروں اور انفرادی شرکت کے معاملے پر غور کیا جا سکے گا، توقع ہے کہ کچھ گنجائش ضرور نکلے گی۔

مشاعرے

کانفرنس کے سلسلے میں مجلس استقبالیہ نے دو مشاعروں کا خاص اہتمام کیا ہے۔ اس سلسلے میں شاعر حضرات کو مشاعرہ کمیٹی کی طرف سے براہ راست دعوت نامے جا رہے ہیں۔ مشاعروں کا تمام تر تعلق مشاعرہ کمیٹی سے ہے اس لئے اس سلسلے میں مراسلت سکریٹری مشاعرہ کمیٹی، تسلیم منزل، ہلدی گھاٹیان جے پور سے ہونی چاہئے۔

ناشرین کا تعاون

نمائش میں اُردو کی ۶۰/۶۱/۱۹۶۲ء کی مطبوعات بھیجنے کے لئے اکثر ناشرین نے حوصلہ افزا خط لکھے ہیں۔ توقع ہے کہ مطبوعات کی بہت نمایندہ نمائش ہوگی، نمائش کا ایک اہم شعبہ راجستھان کی یا راجستھان سے متعلق مخطوطات و نوادر کا بھی ہو گا۔ اس سلسلے میں بھی متعلقہ حضرات قابل تحسین تعاون فرما رہے ہیں۔

انجمن کا صدر دفتر

مرکزی انجمن کا دفتر ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کی صبح جے پور پہنچ جائے گا۔ جنرل سکریٹری ۲۳ر نومبر کی صبح، اور اکثر اراکین انجمن ۲۴- کی صبح پہنچیں گے۔

بقیہ

لے بے ڈف

ایک اور سب کو articles ، اور لوگ یا لوک کو post positions لاحقہ کہنا ہے جو صرف صفت میں نہیں لگتے۔ باقی تمام اقسام کلمہ میں آتے ہیں۔

اور پھر مستقل طور پر مضحکہ خیز سے مضحکہ خیز تر حالات سے سابقہ پڑتا چلا جاتا ہے۔ ایک لڑکا واحد، سب لڑکا یا لڑکا لوگ جمع۔ ایک جنوا (جانور) سب جنوا یا جنوا لوگ، ایک کتا، سب کتا یا کتا لوگ۔ ایک گھر، جمع سب گھر، گھر لوگ نہیں آسکتا۔

سب لڑکا لوگ کا مفہوم تمام لڑکے ہوگا۔

اسم و ضمائر کی ۷ حالتیں قائم کی ہیں۔ فاعلی، اضافی مفعولی، بالواسطہ مفعولی بلاواسطہ۔ ندائی اور آلاتی۔

ضمائر شخصی غائب وہ اور وے کی بے شمار شکلیں قائم کی ہیں، او۔ اور اون اوناد وغیرہ ضمیر شخصی غائب مذکر مونث اور بے جان اور ان کے جمع اور واحد پر یہ تمام شکلیں منحصر ہیں۔ فرگوسن نے وہ لکھا ہے اس کو غلط قرار دیا ہے ماجوتا ہے۔ ماجو نا سکتا۔ ماجوے سکتا۔ ہم ہونے سکتا تم ہونے سکتو۔ یہ افعال کی گردان کی مثالیں ہیں۔

زبان کے نمونے جو مکالمات وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔

ایک عقیل کے آدمی۔ پیار میں ہونے سکتے۔ وہ پونے کے مافق لیکن جب پاگل ہر گیز نائے ماتوالی اور نیگلے۔ مجھوت بڑا بے ایمانی ہے۔ سب آدمی تاریف کورتے ہا فول کا بہار (پھول کا بہار)، آدمی ابن رنڈی پیدا ہوتا ہائے ساوی کا واسطے تو کس واسطے ہمارا مغفی لوگ اس میں نامنجور کورتے ہا۔ ارے کیاؤ اور سب دوشمن ہوتے ہا۔

یہ ایک نظم ہے جو غالباً ان کی اپنی کہی ہوئی ہے۔

مکالمات لے بے ڈف :	صاف اُردو میں
سلام کورتے	سلام کرتے
کیا ہے صاحیب	کیا ہے صاحب
ہم بوہت کوشئے ہوتے تو تم کو دیکھنے کو	ہم بہت خوشی ہوئے تم کو دیکھنے کو
ہم اچھا ہے صاجیب	ہم اچھا ہے صاحب
تو مارا اکیز موت میں	تمہارا خدمت میں
کیس تورے تو مارا وہت	کس طرح تمہارا وقت
کاٹاوتے ہو ہی یا	کاٹتے ہو یہاں
کیا تو م کورے گا ہی یا	کیا تم کرے گا یہاں

ان جملوں کو صاف اُردو میں لکھتے وقت میں نے جملوں کی تصحیح نہیں کی ہے، صرف الفاظ کو صاف اور صحیح لکھ دیا ہے، جملوں کی ساخت وہی رہنے دی ہے۔

ڈاکٹر محمد حسن

تبصرے

قدیم اُردو

تصنیف۔ ڈاکٹر عبدالحق۔
ضخامت۔ ۲۵۵ صفحات۔ قیمت پانچ روپے پچاس نئے پیسے۔
مطبوعہ انجمن ترقی اُردو پاکستان۔

بابائے اُردو کے بارہ ایسے مقالات کا مجموعہ ہے جو اُردو ادب کے ابتدائی دور سے متعلق ہیں۔ یہ تمام مضامین وقتاً فوقتاً رسالہ "اردو" میں چھپ چکے ہیں۔ ان میں مولانا عبدالحق کا وہ مقدمہ بھی شامل ہے جو انھوں نے ملا وجہی کی تصنیف 'سب رس' پر لکھا تھا۔ عہد قدیم کے ادبی سرمائے پر ہمارے یہاں بہت کم لکھا گیا ہے۔ ان مضامین کی حیثیت تعارفی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس اعتبار سے یہ نہایت اہم ہیں۔ لیکن ان موضوعات پر جو کام مولانا عبدالحق نے اب سے کوئی تیس سال پہلے شروع کیا تھا اب آہستہ آہستہ آگے بڑھا ہے اور ہمارے محققین کی توجہ دکنیات اور ہمارے ادب کے ابتدائی نقوش کی طرف منعطف ہو گئی ہے۔ ان مضامین میں تازہ ترین تحقیق کے نتائج شامل نہیں ہیں۔ البتہ یہ گجرات، بیجاپور اور گول کنڈہ کی ادبی تخلیقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ "بیجاپور کے اولیا اللہ کا ایک شاعر خاندان" اس مجموعے کا سب سے اہم مضمون ہے۔ ادبی تاریخ و تنقید کے طلبہ کے لئے یہ مضامین مفید ثابت ہوں گے۔

رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری

تصنیف۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب۔
ضخامت۔ ۴۱۶ صفحات۔ قیمت ۶ روپے پچاس نئے پیسے
شائع کردہ انجمن ترقی اُردو پاکستان۔ کراچی۔

یہ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر آگرہ یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ کوشش ضرور لائق ستائش ہے کہ سرشار جیسے اہم مصنف پر تنقیدی سرمایہ بہت کم ہے۔ اس حیثیت سے یہ اس دور کی ان دو کتابوں میں سے ایک ہے جو اس موضوع پر اب تک شائع ہوئی ہیں۔ مقالے کی تقسیم دس ابواب میں کی گئی ہے جن میں سے پہلا، دوسرا، چوتھا اور آٹھواں براہ راست موضوع سے متعلق نہیں ہیں یا ان کی ضخامت اور اہمیت اصل موضوع کے اعتبار سے بہت کم ہونی چاہیے تھی۔ گو کتاب کا عنوان سرشار کی ناول نگاری ہے مگر سوائے باب نہم کے جس میں سرشار کی جملہ تصانیف کا سرسری تعارف کرایا گیا ہے پوری کتاب میں سرشار کے صرف ایک ناول فسانۂ آزاد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ تحقیقی اعتبار سے بھی سرشار کی زندگی اور شہرت، ان کے دور کے اخبارات اور صحافت کے عام انداز وغیرہ ایسے معاملات پر کوئی نئی معلومات فراہم نہیں کی گئی ہیں۔ تنقیدی تجزیہ بھی ناقص ہے۔ خوبیاں آزاد اور سرشار کے انداز بیان کے زیادہ تفصیلی اور محتاط طور پر تجزیے کی ضرورت تھی دراصل اس مقالے میں تجزیاتی بصیرت کی کمی بُری طرح کھٹکتی ہے۔ آخر میں کتابیات کے ضمن میں جن تیس کتابوں کی فہرست دی گئی ہے وہ اہم سہی مگر ان میں سے اکثر اتنی گرانقدر نہیں ہیں کہ پی ایچ ڈی کے مقالے کے لئے ماخذ کا کام دے سکیں۔ ان میں احتشام حسین صاحب کے ان مضامین سے بھی استفادہ نہیں کیا گیا ہے جو خوجی اور طنز و مزاح پر لکھے گئے ہیں۔ شاید ان سے تجزیے میں مدد ملتی۔ علاوہ بریں سرشار کی ان کتابوں کو بھی نہایت نادر اور نایاب قرار دے دیا گیا ہے جو ہر اہم لائبریری میں آج بھی دستیاب ہوتی ہیں۔ منشی مہاراج بلی کے کردار کو اُردو ناول کے غیر فانی کرداروں میں شامل کرنا یا آزاد کے بارے میں یہ خیال کہ ان کا نام حسن آرا، ثریا بیگم اور خوجی سب سے نیچے ہوگا، آسانی سے تسلیم کی جانے والی باتیں نہیں ہیں۔ مقالے میں تکرار اور بیجا پھیلاؤ بھی ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

حرف شیریں

مصنف: قاضی غلام محمد
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۸۴ صفحات۔ قیمت ۱.۵۰
ناشر: ادارہ ادبیات اُردو۔ حیدر آباد دکن۔

ماہ تمام

مصنف: قمر مراد آبادی
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۱۲۸ صفحات
قیمت: تین روپے
ملنے کا پتہ: تنویر بن قمر۔ قاضی ٹولہ۔ مراد آباد۔

نظم اُردو (نویں اور دسویں جماعتوں کے لئے)

مرتبہ: اردو بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن، مہاراشٹر اسٹیٹ ناگپور۔
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۱۰۳ صفحات
قیمت: ۵۴ نئے پیسے
ناشر: اپنا کتاب گھر۔ کامٹی۔

پبلشر نذیر حسین پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا